<?xml version="1.0" ?>			
<?xml-stylesheet type="text/css" href="home.css"?>			
<Doc id="urd-w-media-	UR00079	"	lang="Urdu">
<Header type="text">			
<encodingDesc>			
<projectDesc>	CIIL-Urdu Corpora, Monolingual Written Text		</projectDesc>
<samplingDesc>	Simple written text only has been transcribed. Diagrams, pictures, tables and verses have been omitted. Samples taken from page 10-11,50-51,78-79,104-105,126-127,150-151,172-173,200-201,224-225,256-257		</samplingDesc>
</encodingDesc>			
<sourceDesc> <biblStruct> <source>		NTS	
	<category>	Aesthetics	</category>
	<subcategory>	Literature-Text Books(school)	</subcategory>
	<text>	Book	</text>
	<title>	قوقعہِ اردو	</title>
	<vol>		</vol>
	<issue>		</issue>
</source>			
<textDes>			
	<type>		</type>
	<headline>		</headline>
	<author>	مولوی عبدالحق	</author>
	<translator>		</translator >
	<words>	5,743	</words>
</textDes>			
<imprint>			
	<pubPlace>	India-New Delhi	</pubPlace>
	<publisher>	انجمنِ ترقیٔ اردو(ہند)	</publisher>
	<pubDate>	1994	</pubDate>
</imprint>			
<idno type="CIIL code">		1046	</idno>
<index>		UR00079	</index>
</biblStruct>			

</sourceDesc>			
<profileDesc> <creation>			
	<date>	17-Oct-2007	</date>
	<inputter>	Ayesha	</inputter>
	<proof>	Ayesha, Shahnawaz Alam	</proof>
</creation>			
<langUsage>		Urdu	</langUsage>
<wsdUsage>			
<writingSystem id="ISO/IEC 10646">Universal Multiple-Octet Coded Character Set (UCS). </writingSystem>			
</wsdUsage>			
<textClass>			
<channel mode="w">		print	</channel>
<domain type="public">			</domain>
</textClass> </profileDesc> </Header>			
<text><body>			

	۲۔ تسبیغ (اس کا نام ہم اردو میں اضافہ رکھتے ہیں۔ کیوں کہ یہ لفظ بہت ث قیل ہے) رُکن کے آخر میں سبب خفیف ہو تو اس میں الف زیادہ کرنا (اذالہ اور اضافہ دونون ایک ہیں۔ مگر وہ وتد میں ہوتا ہے اور یہ سبب خ فیف میں) مثلاً فاعلاتن میں فاعلاتاں، اس کی جگہ اس کا ہم وزن فاعلیاں لاتے ہیں۔ اس رکن یا بحر کو مسبغ کہتے ہیں اور ہم مضاف کہیں گے۔	
	(نوٹ) یہ دونوں زحاف مصرعے کے آخری رُکن میں آتے ہیں۔	
	۳۔ حذذ، (حاء حطی و ذال معجمہ) وتد مجموع کو آخر رکن سے گرانا، جیسے فاعلن سے علن گرایا تو صرف "فا" رہا، اس کی جگہ فعْ لاتے ہیں اور رکن کو "احذّ" (بتشدید ذال) کہتے ہیں۔	
	۴۔ حذف، بفتح حاء وزال معجمہ ساکن) آخر رُکن سے ایک سبب خفیف دور کرنا۔ جیسے فعولن سے لن گرایا، فعو، رہا" اس کی جگہ (فعل) لائیں گے۔ اس رکن یا بحر کو "محذوف" کہیں گے۔	

	۵۔ خبن (خاء مفتوح باء ساکن) رُکن کے اول میں سبب خفیف ہو تو اس کا دوسرا حرف گرانا جیسے فاعلن سے الف گرایا فعلن رہا۔ یہ رکن "مخبون" ہوا۔	
	۶۔ طیّ، (طاء م ف توح ویائے تحتائی مشدد) رکن کے آخر میں دو سبب خفیف ہوں تو چوتھا حرف گرانا۔ ج یسے مستفعلن سے "فا" گرایا تو "مستعلن" رہا۔ اس کی جگہ "مفتعلن لاتے ہیں۔ اور یہ رکن مطوی کہلاتا ہے۔	
	۷۔ قصر (قاف مفتوح وصاد مہملہ ساکن) رکن کے آخر میں سبب خفیف میں سے ساکن حرف کو دُور اور ماقبل کو ساکن کرنا جیسے مفاعیلن میں سے 'ن' گرایا اور لام کو ساکن کیا تو مفاعیل رہا۔ یہ رُکن مقصور ہوا۔	
	۸۔ قطع' رکن کے آخر میں وتد مجموع ہو تو اس کے آخر حرف کو گرا کر ماقبل کو ساکن کرنا۔ جیسے فاعلن میں سے 'ن' گرا کر 'ل' کو ساکن کیا تو فاعل رہے گا۔ اس کی جگہ فعلن لاتے ہیں اور رکن کو 'مقطوع' کہتے ہیں۔	
	۹۔ قبض' (رُکن مقبوض) پانچواں ساکن حرف سبب خفیف میں کا گرانا۔ جیسے: ف عولن میں سے 'ن' گرایا تو فعول رہا (بضم لام)	
	۱۰۔کفّ، (کاف، مفتوع 'ف' مشدد اور رکن مکفوف) ساتون ساکن حرف کو دُور کرنا جیسے: مفاعیلن میں سے 'ن' گرایا تو مفاعیل رہا۔ (بضم لام)	
	۱۱۔وقف (واؤ مفتوح قاف ساکن) (اور رکن موقوف) آخر رُکن میں وتد مفروق ہو تو اس کے آخری متحرک کو ساکن کرنا' جیسے'؛ مفعولات' کی 'ت' کو ساکن کر دینا۔	
	ایک بحر اور ایک رکن میں کئی زحاف بھی واقع ہوتے ہیں۔ اس صورت میں ان کا نام دو تی ن ناموں سے مرک ب ہوتا ہے۔ مثلاً ایک رکن میں خبن اور قطع ہے تو اسے مخبون و مقطوع کہیں گے۔	

<p>	مرکّب زحاف	</p>
<p>	عروضیوں نے رکن میں ایک سے زائد زحاف کے ج م ع ہونے کا بھی دوسرا نام رکھ لیا ہے۔ یہ مرک ب زحاف حسب ذیل پانچ ہیں:۔	</p>
<p>	۱۔ خرب۔ (خا مفتوح ورا ساکن) مفاعیلن میں خرم اور کف کے اجتماع کا نام ہے۔ خرم کی وجہ سے میم ورکف کے سبب سے 'ن' گرایا' فاعیل (ب ضم لام) رہا۔ اس کی جگہ 'مفعول' لاتے ہیں اور ایسے رُکن یا بحر کو اخرب کہتے ہیں۔	</p>
<p>	۲۔شتر، (شین معجمہ مفتوع تائے فوقانی ساکن) (رکن اش تر) خرم اور قبض کے اجتماع کا نام ہے۔ مثلاً رکن مذکور میں خرم سے 'میم' اور قبض سے 'ی' گر گئی تو "فاعلن" رہا۔	</p>
<p>	۳۔ شکل، (شین مفتوح ک ساکن۔ رکن مشکول) کف اور خبن کے اجتماع کا نام ہے۔ مثلاً فاعلاتن میں سے دوسرا اور ساتواں حرف یعنی لام اور نون گرایا۔ فعلات (ی کسر عین) وضم تاء) رہا۔	</p>
<p>	۴۔کسف، (کاف مف توح و سین مہلہ ساکن۔ رکن مکسوف) وقف اور کف کا اجتماع کسف ہے۔ مثلاً مفعولات کی 'ت' حرکت وقف سے اور خود (ت) کف کی وجہ سے دور ہوئَ تو مفعولا رہے گا۔ اس کی جگہ مفعولن لاتے ہیں۔	</p>
<p>	۵۔ ہتم، (ہائے مہلہ مفتوح وتاء فوقانی ساکن۔ رکن وبحر اہتم) یہ حذف اور قصر کے اجتماع کا نام ہے۔ مثلاً مفاعیلن میں سے پہلے تو حذف کی وجہ سے لن دور ہوا۔ م ف اعی رہا۔ پھر قصر سے (ی) دور اور (ع) ساکن کیا گیا، تو 'مفاع' رہا اور اس کی جگہ "فعول" بسکون لام بولیں گے۔ اردو شاعری کے لیے اتنے زحافات کا بیان کافی ہے۔	</p>
<p>	جب دو یا دو سے زیادہ جملے مل کر کسی ایک مفہوم یا خیال کو ادا کریں تو وہ مرکب جملہ کہلائے گا۔ اگر یہ جملے نحوی لحاظ سے جداگانہ اور برابر کی حیثیت رکھتے ہوں تو ایسے جملوں	</p>

	کو "ہم رتبہ" جملے کہیں گے۔	
	اگر کوءی جملہ دوسرے جملے کے مقابلے میں برابر کی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ بلکہ دوسرے کے تحت میں ہے، تو ایسے ج ملے کو تابع کہیں گے۔	
	ا۔ ہم رُتبہ جملے ہم رتبہ جملے حروف عطف کے ذریعے سے باہم ملے ہوتے ہیں۔ اردو میں مثل دوسری زبانوں کے ان کی چار قسمیں ہوسکتی ہیں۔ وصلی، تردیدی' استدراکی اور سببی۔	
	ا۔ وص لی جملے۔ دو ہم رُتبہ جملوں کو باہم وصل کرنے کے لیے حروف عطف جمع 'اور" آتا ہے ان میں سے ہر جملہ برابر کی حیثیت کا اور ایک دوسرے سے آزاد ہوتا ہے۔ جیسے میں آیا اور وہ چلاگیا۔ سورج صبح کو نکلتا اور شام کو غروب ہو جاتا ہے۔	
	بعض اوقات "پھر" بھی یہ کام دیتا ہے۔ جیسے پہلے تو وہ اسباب جمع کرتا رہا پھر چل دیا۔	
	۲۔ تردیدی جملے۔ یہ وصلی جملوں کی ضد ہیں۔ یعنی حروف عطف تردید دو جملوں کو معناً جدا کرتا ہے۔ اس کے لیے عموماً حرف "یا" استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اسے گھر بھیج دو یا باہر نک ال دو۔	
	کبھی "کہ" ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے تم نے کچھ دیا کہ نہیں۔ وہ گیا کہ نہیں۔	
	کبھی "نہیں تو" اور" ورنہ بھی حروف تردید کا کام دیتے ہیں۔ جیسے حاکم کو ہمدرد ہونا چاہیئے ورنہ رعایا تباہ ہوجائے گی۔ اسے جلدی چھوڑدو" نہیں تو بڑی مش کل پڑے گی۔	
	بعض اوقات خواہ۔۔۔۔۔ خواہ اور چاہے۔۔۔۔۔۔ چاہے بھی تردید کے لیے آتے ہیں۔ جیسے چاہے رہے چاہے جائے۔ خواہ خود آجائیں، خواہ مجھے بلالیں۔	
	"نہ۔۔۔۔ نہ" بھی تردید کے لیے آتے ہی ں۔ جیسے، نہ خود گیا نہ مجھے جانے دیا۔	

<p>	اس قسم کے جملوں میں عموماً پہلا "نہ" محذوف ہوتا ہے۔ جیسے خودگیا نہ مجھے جانے دیا۔ وہاں آقا تھا نہ نوکر۔	</p>
<p>	۳۔ استدراکی جملے۔ ہم رتبہ استدراکی جملوں میں دو بیان ات کا باہم مقابلہ ہوتا ہے۔ یہ جملے تین قسم کے ہوتے ہیں۔	</p>
<p>	(ا) دوسرا بیان پہلے بیان کے مخالف یا اس سے خارج ہو۔	</p>
<p>	(ب) دوسرا بیان پہلے بیان کو صرف مقید یا محدود کرتا ہو۔	</p>
<p>	(ج) یا پہلے بیان کی توسیع یا ترقی ہو۔	</p>
<p>	ان کے لیے عموماً حروف لیکن، مگر، پر، سو، بلکہ، استعمال ہوتے ہیں۔ م ث ال ی ں ا سی ترتیب سے دی گئی ہیں۔ جس ترتیب سے تقسیم کی گئی ہے۔	</p>
<p>	(ا) چکور اور شہباز سب اَوج پر ہیں مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں	</p>
<p>	وہ تمہارے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہے مگر تم چاہو کہ روپیہ ہاتھ آئے تو اس سے ہاتھ دھو رکھو۔	</p>
<p>	(۲) وہ وعدے تو بہت کرتا ہے لیکن یاد نہیں رکھتا۔ وہ ساتھی تو ہے پ ر مصیبت کا ساتھی نہیں۔ دوست ہے مگر وقت پر کام نہیں آتا۔	</p>
<p>	(۳) خوشامد سے ایک دنیا ہی نہیں ملتی' بلکہ خدا بھی اس سے ملتا ہے۔ یہ ایک کیا' بلکہ ایسے سو ہوں تو مار ہٹاؤں اس نے صرف طوطا چشمی ہی نہیں کی بلکہ طرح طرح کی تکلیفیں بھی پہنچائیں۔	</p>
<p>	ان م ث الوں سے مگر، لیکن (پر) اور بلکہ کے استعمال میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے اور قابل لحاظ ہے کیونکہ ان کے استعمال میں اکثر غلطی ہوجاتی ہے۔	</p>

	نظم میں پر کی بجائے پہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ کبھی سو بھی ان معنوں میں آتا ہے مگر بہت کم۔ جیسے ہم نے چاہا تھا کہ مرجائیں سو وہ بھی نہ ہوا۔	
	حالت یا کیفیت، طور یا طریقے کے لئے جیسے وہ غصے میں ہے۔ رنج میں یا خوشی میں ہے۔ وہ مارے خوشی کے آپے میں نہیں سماتا۔ ہوش میں آؤ۔ اللہ کے نام میں برکت ہے۔ حرکت میں برکت۔ بتیس دانتوں میں ایک زبان۔ نام میں کیا دھرا ہے۔ بات میں بات پیدا کرتا ہے۔ دم آگیا۔ اس کی زبان میں اثر ہے۔ ہاتھ میں شفا ہے۔ دل میں کھوٹ ہے۔	
	اظہار نسبت کے لئے جیسے عمر میں بڑا، اپنی گلی میں کتا بھی شیر ہے۔ مقابلے کے لئے۔ جیسے مجھ میں اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لاکھ میں ایک ہے، آدمی آدمی میں کیا فرق ہے۔	
	وزن کے لیے۔ جیسے تول میں کم ہے، سیر میں چار چڑھتے ہیں۔ تعداد کے ساتھ جیسے دس آدمیوں میں تقسیم کرو سو میں کہہ دوں 'لاکھ میں کہہ دوں 'بیس میں کیسے گذر ہوگ ا، تین میں نہ تیرہ میں۔ ہم میں بھی ہیں، پانچویں سواروں میں۔ تمیز کے لیے۔ (کس دوسرے اسم سے مل کر) جیسے، حقیقت میں، آخر میں، باتوں باتوں میں، ہنسی میں، خوشی میں وغیرہ۔	
	سے کسی شے کی ابتدا یا ماخذ کو ظاہر کرتا ہے۔ کبھی ابتدا بہ لحاظ مکان جیسے سر سے پاؤں تک، بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ، اس سرے سے اُس سرے تک، زمین سے آسمان تک کہاں سے کہاں تک۔ بہ لحاظ زمان جیسے، چھے بجے سے بیٹھا ہوں۔ صبح سے انتظار کر رہا ہوں۔ کل سے یہی عالم	

	ہے، برسوں سے اسی مخمصے میں گرفتار ہوں۔ مدت سے، قدیم سے وغیرہ۔	
	بہ لحاظ تعداد کے۔ چھے سے سات تک۔	
	ماخذ یا اصل۔ جیسے وہ عالی خاندان سے ہے۔ یہ کہاں سے آیا ہے۔ زمین سے نکلا ہے۔ عین کی آواز حلق سے نکلتی ہے۔	
	نسبت یا علاقہ، جیسے، مجھے کام سے کام ہے اس سے مجھے کیا تعلق۔ اسے پڑھنے سے نفرت ہے۔ آنکھوں سے اندھا، کانوں سے بہرا، دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔	
	مقابلہ۔ جیسے، وہ اس سے کہیں بہتر ہے۔ سخی سے شوم بھلا۔	
	استعانت جیسے تلوار سے فتح کیا۔ قلم سے لکھا۔ ڈنڈے سے خبر لی۔ شاہ صاحب کی دعا سے اچھا ہوگیا۔	
	انحراف: جیسے قول سے، بات سے، وعدے سے پھر گیا۔ راستے سے لوٹ گیا۔ علیحدگی یا جدائی: جیسے وہ نوکری سے الگ ہوگیا۔ کام سے گھبراتا ہے۔ شہر سے نکل گیا۔ کام سے جی چراتا ہے، دل سے اُتر گیا۔	
	تمیز: (کسی دوسرے اسم سے مل کر) جیسے خیر سے، شوق سے، دل سے وغیرہ۔ (ف) بعض جملوں میں 'سے' اور 'کے' کے استعمال سے بین فرق پیدا ہوجاتا ہے۔ لہذا اس موقع پر اس کا فرق بتادینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً: 'کمرے کے باہر اور کمرے سے باہر' میں فرق ہے۔ کمرے کے باہر کے معنی ہیں کمرے کے باہر کی طرف اور کمرے سے باہر یعنی کمرے کے اندر نہ ہونا۔ جیسے کمرے کے باہر بیٹھو، کمرے سے باہر جاؤ۔	
	اِسی طرح کس لئے اور کس کے لئے: میں فرق ہے۔ کس لیے کے معنی ہیں کیوں یا کس غرض سے۔ اور کس کے لئے یعنی کس شخص وغیرہ کے واسطے۔	

<p>	**تک** انتہا کے لئے بہ لحاظِ مکان۔ جیسے، شہر تک، سر سے پاؤں تک۔	</p>
<p>	بہ لحاظِ زمان۔ جیسے، شام تک، مہینہ بھر یا سال بھر تک۔ چھ بجے تک۔	</p>
<p>	عام اشیا اور خیالات کے لحاظ سے جیسے مجھ تک، اس کا نام تک نہ لیا۔ خبر تک نہ ہوئی۔ سلام تک نہ لیا۔ اب یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ خیال تک نہ آیا، گمان تک نہ تھا۔ ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک	</p>
<p>	**پہ** اصل میں اوپر سے ہے 'پر' کا مخفف 'پہ' بھی (اہل لکھنؤ زبر سے اور اہلِ دہلی زیر سے بولتے ہیں) انھیں معنوں آتا ہے۔	</p>
<p>	۲۰۔ "کیا کیا" بہ تکرار بھی آتا ہے، جس کے معنی کثرت، کے ہوتے ہیں، جیسے کیا کیا کہوں کیا کیا لکھوں، کیا کیا سنوں؟	</p>
<p>	۲۱۔ کون اور کون سا کا فرق پہلے بیان ہوچکا ہے 'کون سا' ہمیشہ ایسی جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں کئی میں سے ایک مقصود ہو، مثلاً کئی کتابیں ہوں اور پوچھیں کونسی چاہیئے؟	</p>
<p>	۲۲۔ 'کون' اور 'کیا' بعض اوقات تنکیری معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے مجھے نہیں معلوم کہ کون آیا اور کون گیا۔ یہاں استفہامی معنی نہیں ہیں۔ اسی طرح کچھ معلوم نہیں۔ اس نے مجھے کیا کہا تھا میں کیوں کر وعدہ کرلوں۔ خدا جانے وہ کیا مانگ بیٹھے۔ اسے معلوم نہ تھا کہ اس مکان میں کون رہتا ہے۔	</p>

	۲۳۔ ضمائر تنکیری 'کچھ' اور 'کوئی' ہیں۔ ان کا معمولی استعمال اور فرق کا بیان صرف میں ہوچکا ہے۔	
	۲۴۔ 'کوئی' بطور ضمیر ہمیشہ جان دار کے لئے استعمال ہوتا ہے اور واحد آتا ہے جمع میں نہیں آتا بعض اوقات 'کچھ' جانداروں کے لئے بھی آتا ہے، جیسے وہاں بہت سے لوگ بیٹھے تھے 'کچھ ی ہاں۔ یہ استعمال مخصوص ہے۔ اور صرف اس وقت آتا ہے جب مجموعی تعداد ہو۔	
	۲۵۔ ایک ہی جملے کے دو حصوں میں کوئی اور کچھ الگ الگ بطور جواب کے استعمال ہوتے ہیں۔ کرے کوئی بھرے کوئی، کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ، کوئی مرے کوئی ملہار گائے، کچھ ہم سمجھے کچھ تم سمجھے۔ ایسے جملوں میں کوئی اور کچھ کے معنی ایک جگہ ایک اور دوسری جگہ دوسرے کے ہیں۔	
	۲۶۔ کوئی نہ کوئی اور کچھ نہ کچھ بھی قلتّ کے معنوں میں آتے ہیں، جیسے کوئی کوئی اب بھی مل جاتا ہے، کچھ کچھ باقی ہے۔	
	۲۷۔ کوئی نہ کوئی اور کچھ نہ کچھ بھی قلتّ کے معنوں میں آتے ہیں اور اس میں زیادہ زور ہوتا ہے۔ کوئی نہ کوئی اب بھی نظر آجاتا ہے، اچھوں کی ص ح بت میں کچھ نہ کچھ ضرور حاصل ہوتا ہے۔	
	۲۸۔ کوئی کا استعمال استفہام کے ساتھ روز مرہ میں بڑے لطف سے ہوتا ہے جیسے عمر دو روزہ ع یش دو روزہ نہیں ہے تو میں چھوڑتا ہوں کوئی غم جاوداں تجھے کاوشِ دل دُور ہو میرے دلِ ویراں سے کیا خار جاتے ہیں کوئی صحرا کا دامن چھوڑکر	
	۲۹۔ کچھ کا کچھ اور کچھ سے کچھ ہ ایسے موقع پر بولتے ہیں جہاں ایک حالت سے دوسری حالت ہوجائے اور ت غیر ی ا انقلاب پیدا ہو جائے جیسے کچھ کا کچھ ہوگیا، یا کچھ سے کچھ ہو	

	گیا۔ لیکن بعض اوقات کچھ کا کچھ اصل کے خلاف معنوں میں بھی آتا ہے جیسے کچھ کا کچھ کہہ دیا یا کچھ کا کچھ سمجھا دیا۔ یہاں بھی وہی معنی کے تغیر کے ہیں۔ یعنی اصل کے خلاف یا اسے بدل کر کچھ اور کہنا۔	
	۳۰۔ کوئی کے بعد بعض اوقات سا بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کوئی سا دے دو۔ کوئی سا لے لو۔ یہ عموماً اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کئی میں سے ایک مقصود ہو۔ یہ استعمال بے جان اور جاندار دونوں کے لئے یکساں ہوتا ہے۔ بغیر (سا) کے بھی کوئی ان معنوں میں آتا ہے۔ کوئی دے دو کوئی بھی دے دو۔	
	۳۱۔ بعض اوقات 'کچھ' جیسا اور جو ضمائر موصولہ کے ساتھ مل کر بھی آتا ہے اور اُس میں زیادہ تر تنکیر پائی جاتی ہے۔ جیسے، جیسا کچھ ہو گا دیکھا جائے گا اور جو کچھ کہو گے کروں گا۔	
	۳۲۔ اسی طرح کوئی کے ساتھ کیسا مل کر تنکیری معنوں میں اور زور پیدا کر دیتا ہے جیسے کوئی کیسا ہی ہو۔ معنی میں دور اور تاکید ہوتی ہے جیسے کوئی کیسا ہی کیوں نہ ہو۔	
	۳۳۔ جتنا، اتنا، ایسا، جیسا، ویسا، کیسا جو الفاظ ضمیری ہیں اور بطور صفت مستعمل ہیں، تمیز بھی واقع ہوتے ہیں، لہذا ان کا ذکر تمیز فعل میں کیا جائے گا۔	
	۳۴۔ ضمائر موصولہ، استفہامیہ تنکیری، جب بہ تکرار آتی ہیں تو معنی کثرت کے دیتی ہیں مگر ان معنوں کا اطلاق کُل پر فرداً فرداً ہوتا ہے سوائے ضمائر تنکیری کے جو قلت کے معنی دیتی ہیں۔ جیسے اس نے جو جو کہا، میں نے مان لیا، جس جس کے پاس گیا اس نے یہی جواب دیا، جن جن سے تعلق تھا۔ کون کون آئے ہیں؟ کس کس سے کہوں؟ کس کس کے پاس جاؤں؟ کیا کیا کہا؟ کوئی اب بھی ہے، کچھ کچھ اب بھی نظر آجاتے ہیں۔	
	۳۵۔ ضمائر موصولہ، استفہامیہ اور تنکیری جب اسماء کے ساتھ آتی ہیں تو صفت کا کام دیتی ہیں۔ جیسے جو شخص آئے فوراً میرے پاس بھیج دو جس کو کہو بھیج دوں۔ جن لوگوں	

	نے ایسا کہا غلطی کی۔ یہ کون آدمی ہے؟ یہ کس شخص کی ملک ہے؟ کیا چیز چاہیئے؟ کوئی آدمی کام کا نہیں تھا۔ کچھ لوگ وہاں بیٹھے تھے۔	
	"نے" فاعل کی علامت کے طور پر قدیم ہندی میں کہیں استعمال نہیں ہوا اور ہندی کی پوربی شاخوں میں اس کا وجود نہیں۔ تلسی داس تک کے کلام میں بھی کہیں اس کا استعمال نہیں پایا جاتا۔ اس کا استعمال اس طور پر غالباً اس وقت شروع ہوا ہے جب کہ اردو نے اپنا سکہّ جمایا۔ البتہ مرہٹی میں اس کا استعمال اردو یا ہندی کی طرح ہوتا ہے۔ لیکن پہلے بطورِ علامت مفعول استعمال ہوتا تھا جس کا پتا پنجابی یا گجراتی سے ملتا ہے۔ گجراتی میں 'نے' فاعلی اور مفعول دونوں حالتوں کے لئے آتا ہے، مگر اردو میں صرف فاعلی حالت کے لیے مخصوص ہے۔ اس کے استعمال کے متعلق ذیل کے موقعوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔	
	ا۔ 'نے' علامت فاعل صرف فعل متعدی کے ماضی مطلق تمام احتمالی اور حال قریب کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے میں نے کھانا کھایا۔ اس نے احمد کو مارا۔ یہ کس نے لکھا؟ میں نے لکھا ہوگا، میں نے لکھا ہے۔	
	اگرچہ لانا، بھولنا، شرمانا، بخشنا، بولنا، متعدی افعال ہیں مگر اس قاعدے سے مستثنی ہیں، جیسے میں کتاب لایا، وہ رقعہ لے گیا۔ میں تمہارا نام نہیں بھولا۔ وہ دیر تک مجھ سے بخشا۔ وہ اس حرکت سے شرمایا۔ وہ بولے چل دور ہو۔ لیکن بعض اوقات بولنے کے ساتھ جب کوئی لفظ بطور مفعول ہوتا ہے تو "نے" لگا دیتے ہیں جیسے اس نے جھوٹ بولا۔ مگر وہ جھوٹ بولا بھی صحیح ہے۔	
	۲۔ لیکن جب فعل متعدی کے ساتھ کوئی متعدی امدادی فعل آئے تو حسب قاعدہ فاعل کے ساتھ 'نے' آئے گا، مگر جب فعل امدادی لازم ہوگا تو پھر علامت متعدی فعل کے	

	ساتھ بھی نہیں آئے گی اور پورا فعل لازم خیال کیا جائے گا۔ جیسے میں نے رقعہ بھیجا (فعل متعدی بلا فعل امدادی) میں نے رقعہ بھیج دیا (فعل متعدی مع فعل امدادی متعدی) میں رقعہ بھیج چکا (فعل متعدی مع فعل امدادی لازم) میں رقعہ نہ بھیج سکا ای ض اً اس طرح اس نے مجھ سے دو روپے لئے۔ وہ مجھ سے دو روپے لے گیا۔ اس نے سارے آم کھال ئے۔ وہ سارے آم کھاگیا۔ اس نے ہنس دیا۔ اور وہ ہنس دیا، اس نے رودیا، اور وہ رودیا۔ دونوں مستعمل ہیں لیکن بغیر 'نے' کے زیادہ فصیح ہے۔	
	فعل لازم کے ساتھ اگرچہ فعل امدادی متعدی ہو تو بھی علامت فاعل کا اظہار نہیں کیا جائے گا۔ جیسے وہ آلیا۔ وہ سولیا۔ لیکن آلینا جب مرکب فعل ہو جو خاص محاورے کے معنوں میں آتا ہے تو 'نے' آئے گا جیسے اس نے مجھے آلیا۔	
	لیکن جب امدادی فعل کے آنے سے فعل لازم متعدی بن جائے تو 'نے' آئے گا۔ جیسے اس نے مجھے آلیا، تم نے اسے کیوں ڈرنے دیا۔ اس نے بیمار کو سونے نہ دیا۔ ایسی حالت میں اصل فعل کے معنوں میں بہت تغیر ہوجاتا ہے اور فعل لازم نہیں رہتا۔	
	۳۔ بعض متعدی فعل ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ 'نے' کا استعمال ہوتا بھی ہے اور نہیں بھی ہوتا جیسے: میں بازی جیتا، میں نے بازی جیتی میں شرط ہارا، میں نے شرط ہاری۔ جب بطور لازم استعمال ہوتے ہیں تو 'نے' مطلق نہیں آتا، جیسے تم جیتے میں ہارا۔	

	میں بات سمجھا، میں نے بات سمجھی۔ میں کام سکیھا، میں نے کام سکیھا۔ سیکھے ہیں مہ رُخوں کے لئے ہم مصوّری تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیئے غالب یہ سبق بھی کوئی پڑھا، کسی نے یہ سبق بھی پڑھا۔ ۴۔ بعض افعال لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں۔ متعدی ہونے کی صورت میں 'نے' علامت فاعل فعل کے ساتھ استعمال ہوتی ہے اور لازم کی حالت میں نہیں۔	
	(ک) اسم کے بعد ٹ، ہٹ، اٹ کے بڑھانے سے جیسے گھبراہٹ، بناوٹ، رکاوٹ، لگاوٹ وغیرہ۔	
	(ل) بعض اوقات صفات کے آگے یہی علامت بڑھانے سے بھی اسمائے کیفیت بنتے ہیں۔ جیسے چکناہٹ کڑواہٹ، نیلاہٹ۔	
	(م) مادہ فعل کے بعد 'اؤ' کے اضافہ کرنے سے۔ جیسے بچاؤ، چڑھاؤ، چھڑکاؤ، جھکاؤ، لگاؤ، رکاؤ وغیرہ۔	
	(ن) پا، پن اور پنا اسم کے آگے بڑھانے سے جیسے بڑھاپا۔ چھٹاپا، مٹاپا، لڑکپن بچپن، شہدپن، دیوانہ پن 'بچپنا، گنوارپنا۔ چھٹپنا۔	
	(س) ک کے بڑھانے سے اسم یا فعل کے بعد جیسے ٹھنڈک، ب ی ٹھک۔	
	(ع) 'کی' کے اضافے سے جیسے چمکی۔	
	(ف) 'اُس' کے اضافے سے جیسے مٹھاس پیاس کھٹاس	
	(ص) مادہ فعل کے بعد اپ کے اضافے سے۔ جیسے ملاپ	
	(ق) پت سے، جیسے سیان پت، کنوارپت۔	

	(ر) نا کے لگانے سے۔ جیسے چاندنا۔	
	(ش) واس کے بڑھانے سے جیسے بکواس۔	
	(ت) وا کے اضافے سے، جیسے بڑھاوا، بلاوا، دکھاوا وغیرہ۔	
	(ض) یت، جیسے اپنایئت۔	
	یہ سب ہندی صورتیں ہیں لیکن بعض فارسی ترکیبیں بکثرت استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً گی کے لگانے سے بندگی زندگی، مردانگی، دیوانگی (یہ علامت ان فارسی الفاظ کے آگے اضافہ کی جاتی ہے۔ جن کے آخر 'ہ' ہوتی ہے۔)	
	اسم کے بعد ی کے اضافے سے، جیسے گرمی، نرمی، جوانی، روشنی وغیرہ۔	
	امر کے آگے ش یا یش کے اضافے سے جیسے سوزش، آزمایش، گردش وغیرہ۔	
	امر کے آگے اک بڑھانے سے جیسے خوراک پوشاک۔	
	۲۔ اسم فاعل ج وکس ی کام یا پیشے کے ظاہر کرنے کو استعمال ہوتا ہے مفصلۂ ذیل علامات کے اضافے سے بنتا ہے۔	
	(ا) والا، جیسے رکھوالا۔ وغیرہ۔	
	(ب) وال جیسے دوال، رکھوال۔	
	(ج) ہار، ہارا، جیسے پن ہارا، پسن ہارا، لکڑہارا گھسیارا، جانہارا، ہارس نس کرت کے لفظ کارک سے بگڑکر بنا ہے جس کے معنی آنے والے کے ہیں۔	
	بعض الفاظ میں ہارا کی 'ہ' اڑگئی ہے اور آرا، آر، یار ہوگیا ہے۔ جیسے کرتار، چ م ار، کمہار، بنجارا، بھٹیارا، لوہار، سنار۔	
	(د) اری یا اڑی کے اضافے سے بنتا ہے، جیسے پجاری، بھکاری، کھلاڑی وغیرہ۔	
	(ہ) ایرا کے اضافے سے، جیسے لٹیرا، کمیرا، سپیرا، کسیرا۔	

	(و) الف کے اضافے سے، جیسے بھر بھونجے مین بھونجا جو پرانے فعل بھنجنا (بھوننا) سے نکل ا ہے جوتا (زمین جوتنے والا) اُچکا۔	
	(ز) یا کے اضافے سے جیسے گڈریا (گادڑ بمعنی بھیڑ) دیوالیہ، پنخنیا۔	
	(ح) یا کے اضافے سے جیسے گویا، بٹویا۔	
	(ط) ہا کے اضافے سے جیسے چ رواہا۔	
	(ی) وا کے اض افے سے جیسے مچھوا، بھڑوا (بھاڑے سے) پٹوا (پٹ۔ ریشم)	
	(ک) اک کے اضافے سے جیسے پیراک، لڑاک تیراک، چالاک۔	
	(ل) تا کے اضافے سے، جیسے داتا۔ یا رشتے کو ظاہر کرنے کے لیے جیسے پتا (یہ سنسکرت علامت ہے)	
	(م) کڑ کے اضافے سے جیسے بھلکڑ، کودکڑ، بھکڑ۔	
	(ن) و کے اضافے سے جیسے ڈاکو، پٹھو۔	
	(س) رو کے اض افے سے، جیسے پکھیرو، کسیرو۔	
	اس کے علاوہ فارسی علامتیں بھی اردو میں بکثرت استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً گر، گار، کار، جیسے کاریگر نیلگر زرگر خدمت گار، مدد گار، دست کار۔	
	بر، جیسے رہبر، دلبر، پیغام بر۔	
	بان، وان، جیسے باغبان گاڑی بان، کوچوان (اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں موٹربان)	
	لیکن بعض اوقات جانا بطور فعل امدادی کے دوسرے افعال کے ساتھ آتا ہے۔ مثلاً کھاجانا۔ ڈرجانا۔ اٹھ جانا۔ لہذا ان افعال میں اور طور مجہول میں فرق کرنا چاہیئے۔ اس کا امتیاز بآسانی اس طرح ہوسکتا ہے کہ اگر فعل کے ساتھ صورت فاعلی استعمال ہوسکتی	

	ہے۔ تو وہ طور معروف ہے اور اگر نہیں ہو سکتی تو وہ طور مجہول ہے۔	
<p>	طور مجہول میں جو "جانا" استعمال ہوتا ہے۔ وہ پراکرت کے طور مجہول سے ماخوذ ہے۔ پراکرت میں طور مجہول کے بنانے کے لئے (اِجا) مادۂ فعل کے آگے بڑھا دیتے ہیں۔ (سنسکرت میں علامت مجہول یا ہے) مارواڑی میں اب تک پراکرت کی اصل کا پتہ لگتا ہے۔ مارواڑی میں طور مجہول کے لئے اجنو استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کراِجنو یعنی کیا جانا۔ مرورِ زمانہ اور نیز اصل پر نظر نہ رہنے سے غالباً اجا کا جا، جانا کا جا سمجھا گیا اور رفتہ رفتہ طور مجہول کے لئے جانا استعمال ہونے لگا۔	</p>
<p>	**افعال کی نفی** ۱۔ افعال کے شروع میں نہ یا نہیں لگانے سے فعل منفی ہوجاتا ہے۔ مثلاً وہ اب تک نہیں آیا۔ تم کل کیوں نہیں آئے۔ اسے کچھ نہ ملا۔	</p>
<p>	بعض اوقات نہیں بعد میں آتا ہے۔ جیسے میں تمام دن انتظار کرتا رہا مگر وہ آیا ہی نہیں۔ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔ وہ بیٹھا تو نہیں۔ یہ اکثر تخصیص کے موقع پر ہوتا ہے لیکن نظم میں پابندی نہیں۔	</p>
<p>	۲۔ نہ اور نہیں کے استعمال میں فرق ہے۔ ماضی شرطیہ اور مضارع کے ساتھ "نہیں" استعمال نہیں کرتے بلکہ "نہ" استعمال ہوتا ہے۔ اگر وہ نہ آتا تو خوب ہوتا، اگر وہ نہ آئے تو میں کیا کروں۔ تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا۔ نہ تھا کچھ تو خدا تھا اور نہ ہوتا تو خدا ہوتا ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا جملہ شرطیہ کے دوسرے حصے میں بھی جسے جزا کہتے ہیں "نہیں" نہیں آتا۔ اگر وہ آتا تو اچھا نہ ہوتا۔ بعض اوقات اس کے استعمال میں غلطی ہوجاتی ہے۔ مثلاً ہم خدا تجھ کو سمجھتے گر	</p>

	خودی ہوتی نہیں" میں اگر بجائے نہیں کے نہ ہوتا تو بہتر اور فصیح تر ہوتا۔ ماضی مطلق میں شرط کے ساتھ بھی اکثر نہیں استعمال کرتے۔ جیسے اگر وہ نہ آیا تو کیا ہوگا۔ وہ نہ آیا تو تو ہی چل رنگیں اس میں کیا تیری شان گھٹتی ہے	
	۳۔ حالِ امریہ کی نفی نہ اور مت دونوں سے آتی ہے۔ جیسے نہ کر مت کر۔ مت میں مزید تاکید پائی جاتی ہے۔	
	۴۔ ماضی مطلق میں اکثر اور عموماً "نہیں" آتا ہے۔ لیکن بعض اوقات "نہ" ہی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے۔ نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا اسی طرح ماضی تمام و ناتمام و احتمالی کے ساتھ بھی "نہیں" آتا ہے لیکن جب ماضی احتمالی کی آخری علامت "تھا" محذوف ہو تو ہمیشہ "نہ" استعمال ہوگا۔ جیسے ممکن ہے کہ وہ نہ سمجھا ہو اور یوں ہی چلا گیا ہو۔	
	۵۔ فعل مستقبل کی نفی مثل دوسرے افعال کے آتی ہے۔ کبھی مصدر کے بعد (کا، کی، کے) لگا دینے سے مستقبل کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ مگر یہ صورت ہمیشہ نفی کے ساتھ آتی ہے اور اس سے تاکید مخصوص ہوتی ہے جیسے "میں نہیں آنے کا" ہم نہیں آنے کے۔ وہ نہیں آنے کی۔ ایسی صورت میں نفی کے لئے ہمیشہ "نہیں" آتا ہے۔	
	۶۔ نفی حال مطلق میں آخری علامت ہے یا ہیں حذف ہوجاتی ہے۔ جیسے میں نہیں آتا۔ وہ نہیں آتا، اس سے نہیں کہا جاتا۔	

	کوئی صورت نظر نہیں آتی کوئی امید بر نہیں آتی	
	لیکن جب کسی جملے کے دونوں حصوں میں حرف نفی لانا مقصود ہو تو "نہ" لکھنا چاہیئے۔ اس وقت آخر کا فعل امدادی (یعنی ہے یا نہیں) نہیں گرتا جیسے نہ خود آتا ہے اور نہ دوسروں کو آنے دیتا ہے۔ درحقیقت یہاں فعل حال کی نفی نہیں بلکہ جملے کی صورت ہی منفی واقع ہوئی ہے۔ حال تمام کے ساتھ بھی "نہیں" استعمال ہوتا ہے اور آخر سے فعل امدادی 'ہے' یا 'ہیں' گر جاتا ہے۔ جیسے وہ اب تک نہیں آیا۔ (آیا ہے)۔	
	فارسی کا لفظ خود بھی (جس کے معنی آپ یا اپنے کے ہیں) انھیں معنوں میں آتا ہے۔ جیسے انھوں نے خود فرمایا۔ خود بعض حالتوں میں زیادہ فصیح ہے اور خصوصاً حالت مفعولی میں۔ جیسے میں نے خود اسے دیا۔ یہاں خود کے استعمال سے ایہام پایا جاتا ہے کہ خود کا تعلق (میں) سے ہے یا (اُسے) سے۔ لہذا اس کے رفع کے لئے ایسے موقعوں پر استعمال کی یہ صورت ہونی چاہیئے کہ جس لفظ سے اس کا تعلق ہو اس کے اول استعمال کیا جائے مثلاً اگر یہاں خود کا تعلق (میں) سے ظاہر کرنا مقصود ہو تو یوں کہا جائے۔ "خود میں نے اسے دیا" مگر حالت اضافی میں خود کا کہنا فصیح نہیں ہے۔ ایسے موقعے پر (اپنا) زیادہ فصیح ہے۔ مثلاً "خود کا کام خود کرنا چاہیئے۔" کی بجائے "اپنا کام آپ کرنا چاہیئے۔" زیادہ فصیح ہوگا۔	
	۲۔ ضمیر موصولہ وہ ہے جو کسی اسم کے بجائے آتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہمیشہ ایک جملہ ہوتا ہے جس میں اس کے اسم کا بیان ہوتا ہے۔ جیسے وہ کتاب جو کل چوری گئی تھی مل گئی۔ آپ کے دوست جو پچھک رو ہیں مجھے ملے تھے۔ پہلے جملے میں 'جو' کتاب کے لئے اور دوسرے میں 'جو' دوست کے لئے ہے اور ساتھ کے جملوں میں دونوں اسموں کا بیان ہے۔	

	ضمیر موصولہ ہمیشہ ایک جملے کے ساتھ آتی ہے اور دوسرا جملہ اس کے جواب میں ہوتا ہے مثلاً وہ کتاب جو کل خریدی تھی جاتی رہی۔ "اس میں دو جملے ہیں ایک "جو کل خریدی تھی" دوسرا "وہ کتاب جاتی رہی۔" اس میں "جو" ضمیر موصولہ ہے۔	
	(جو) حالت فاعلی میں واحد اور جمع دونوں میں یکساں استعمال ہوتا ہے۔ مگر جب فاعل کے ساتھ نے ہو تو واحد میں (جو) بدل کر (جس) اور جمع میں (جنھوں) ہو جاتا ہے۔ مثلاً جس نے ایسا کیا برا کیا۔ وہ لوگ جنھوں نے قصور کیا تھا معاف کر دیئے گئے۔	
	کبھی (جو) کے جواب میں فقرہ ثانی میں (سو) آتا ہے۔ جیسے جو ہو سو ہو۔ جو چڑھے گا سو گرے گا۔ (جون) بھی ہندی ضمیر موصولہ ہے مگر اردو میں (سا) کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے ان میں سے جون سا چاہو لے لو۔ جمع میں (جون سے) اور واحد و جمع مؤنث میں (جون سی) استعمال ہوتا ہے۔ کبھی (کہ) بطور ضمیر موصولہ کے استعمال ہوتا ہے۔	
	۳۔ زبانوں کے عموماً عموماً مؤنث ہوتے ہیں مثلاً انگریزی۔ فارسی، اردو، سنسکرت تامل وغیرہ۔	
	۴۔ ایسے اسما جو آواز کی نقل ہیں مؤنث ہوتے ہیں۔ سایئں سائیں، چٹ چٹ، دھڑ دھڑ وغیرہ۔	
	۵۔ دنوں اور مہینوں کے نام مذکر استعمال ہوتے ہیں۔ دنوں میں جمعرات مستثنی ہے۔	
	۶۔ دھاتوں اور جواہرات کے نام بھی مذکر ہیں۔ چاندی البتہ مستثنی ہے۔ ہندی میں اسے روپا کہتے ہیں جو مذکر ہے جیسے سونا، جست، لوہا، ٹین، رانگ وغیرہ۔ ۷۔ پہاڑوں کے نام مذکر ہیں جیسے۔ ہمالیہ، بندھیاچل وغیرہ	
	۸۔ ستاروں اور سیّاروں کے نام بھی مذکر ہیں۔	
	۹۔ کتابوں کے نام اگر مفرد ہیں تو مؤنث ہوں گے بشرطیکہ آخر میں ایا ہ نہ ہو جو مذکر کی	

	علامت ہے جیسے صدرا۔ کافیہ۔ لیکن شفا (شیخ کی تصنیف) مؤنث ہے۔ کیونکہ جیسے پہلے ذکر ہوچکا ہے ایسے عربی سہ حرفی لفظ مؤنث ہوتے ہیں لیکن مرکب ہونے کی حالت میں مضاف یا موصوف کی تذکیر وتانیث پر کتاب کی تذکیر وتانیث منحصر ہوگی۔ مثلاً بوستان، گلستاں، پریم ساگر۔ رامائن مؤنث ہیں مگر حکایت سوداگر مؤنث اور قصۂ حلیمہ دائی مذکر ہے۔	
	اردو ہندی نژاد ہے اور قدیم ہندی یا پراکرت کی آخری اور سب سے شائستہ صورت ہے۔ ہندی بولی اور فارسی کے میل سے بنی ہے۔ اس میں جو سنسکرت اور پراکرت کے الفاظ ہیں وہ زمانۂ دراز کے استعمال اور زبانوں پر چڑھ جانے سے ایسے دُھل گئے ہیں کہ اصل الفاظ میں جو بھدّاپن اور کرختگی اور تلفظ اور لہجے کی دقت تھی بالکل جاتی رہی، اور چھٹ چھٹاکر پاک صاف سیدھے سادے رہ گئے جس سے زبان میں لوچ، گھلاوٹ اور صفائی پیدا ہوگئی۔ اردو کے ہندی نژاد ہونے میں کچھ شبہ نہیں کیونکہ بیرونی زبانوں کا اثر صرف اسماء وصفات میں ہوا ہے۔ ورنہ زبان کی بنیاد یہیں کی زبان پر ہے۔ تمام حروف فاعلی، مفعولی، اضافت، نسبت، ربط وغیرہ ہندی ہیں۔ ضمیریں سب کی سب ہندی ہیں، افعال سب ہندی ہیں لیکن عربی فارسی الفاظ کے اضافے نے مختلف صورتوں میں اس کی اصل خوبی میں اضافہ کردیا ہے۔ ہندی الفاظ میں دلنشینی کا خاص اثر ہے اور عربی اور فارسی الفاظ میں شان وشوکت اور زبان کے لیے ان دونوں عنصروں کا ہونا ضروری ہے۔ عربی فارسی الفاظ نے نہ صرف لغت اور نحو میں بلکہ خیالات میں بھی وسعت پیدا کردی ہے جس سے اس کا حسن دوبالا ہوگیا اور وہ زیادہ وسیع اور کارآمد بن گئی۔ مگر اصل بنیاد جس پر وہ قائم ہے، ہندی ہی ہے۔ محض غیرزبانوں کے اسماء وصفات کے اضافے سے اس کے ہندی ہونے میں مطلق فرق نہیں	

آسکتا۔ مثلاً آج کل بہت سے انگریزی لفظ داخل ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن اس سے زبان کی اصلیت و ماہیت پر کچھ اثر نہیں پڑسکتا۔ ایک دوسری بات اردو زبان میں یہ ہے کہ وہ اس اصول پر قائم ہے جو تمام جدید زبانوں میں اس وقت پایا جاتا ہے۔ یعنی صورت ترکیبی سے حالت تفصیلی کی طرف اس کا رجحان ہے۔ قدیم زبانوں میں یہ بڑی طاقت تھی کہ ایک ہی لفظ کو ذرا ذرا سے فرق اور پھیر سے مختلف صورتوں میں لے آتے تھے۔ اب دوسرے الفاظ کی مدد سے مرکب صورتیں پیدا ہوگئی ہیں اور وہ دقتیں جاتی رہی ہیں۔ اردو کو بھی اس قید سے آزادی مل گئی ہے۔ غرض یہ زبان مختلف حیثیتوں سے ایسی قبول صورت ہوگئی ہے کہ اس کی ترقی میں شبہ نہیں ہوسکتا۔ اس کی صفائی فصاحت اور صلاحیت اور ہندی، فارسی، عربی اور انگریزی کے مختلف مفید اثرات اس امر کا یقین دلاتے ہیں کہ وہ دنیا کی ہونہار زبانوں میں سے ہے اور ایشیا میں ایک روز اس کا ستارہ چمکے گا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ کئی سال کا عرصہ ہوا کہ میرے ایک دوست نے ایک جلسے میں تذکرتاً میری کتاب صرف و نحو اردو کے متعلق کہا کہ انجمن اُردو (حیدرآباد دکن) اسے چھپوادے تو بہت اچھا ہو۔ اس پر ہمارے ایک عالم دوست نے فرمایا کہ صرف و نحو کی کتابیں بچوں کے لئے ہوتی ہیں۔ انجمن کی طرف سے ایسی کتابوں کا طبع ہونا ٹھیک نہیں مجھے اس میں کلام ہے کہ صرف و نحو کی کتابیں بچوں کے لئے مخصوص ہیں بلکہ میری رائے میں انھیں اپنی زبان کی صرف و نحو پڑھانا مضر ہے۔ البتہ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ایک زندہ اور جدید زبان کے لیے گریمر (صرف و نحو) کی چنداں ضرورت نہں ہوتی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر گریمر کی ضرورت پڑی کیوں؟ جب ہم دنیا کی مختلف زبانوں پر نظر ڈالتے ہیں اور ان کے ادب کی تاریخ بغور پڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں گریمر کی ضرورت اس وقت واقع ہوئی جب ایک زبان والوں

	نے دوسری زبان کے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اول اول خود اہلِ زبان کو کبھی اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ مثل دوسرے علوم و فنون کے ضرورت نے اسے بھی ایجاد کیا۔ اور زبان کے سب سے پہلے علمی نحوی وہ لوگ تھے جنھوں نے سب سے اول علمی طور پر زبانوں کی تعلیم دی۔ صرف و نحو کے قواعد کی تدوین انھیں معلمین السنہ کا کام تھا۔	
	زبانوں کا سیکھنا سکھانا نسبتاً جدید زمانے کی ایجاد ہے۔ جو آج کل خاصا پیشہ ہوگیا ہے۔ قدیم زمانے میں لوگ غیرزبانوں کے سیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ مثلاً کسی قدیم یونانی یا عرب کو کسی غیرزبان کے سیکھنے کا کبھی خیال نہیں آتا تھا۔ اور وہ کیوں سیکھتا؟ اس لیے کہ یونانی سوائے یونانیوں کے اور عرب سوائے عربوں کے سب کو وحشی خیال کرتا تھا۔ غیروں کی زبان سیکھنا، ان کے آداب و اطوار کا اختیار کرنا اس کے لیے عار اور موجب ذلت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی غیر اقوام کو ایک لوسائی یعنی بے زبان اور عرب دوسروں کو عجم یعنی گونگے اور پول، اپنے پڑوسی اہل جرمن کو نیمیا یعنی گونگے بہرے اور ہندو اپنے سوا دوسروں کو ملیکھ (ملیچھ) کہتے تھے۔ ملیکھ یعنی ملیچھ کے اصل معنی ایسے شخص کے ہیں جسے صاف طور سے بولنا نہیں آتا۔	

</body></text>
</Doc>